© rasailojaraid.com

محسنِ انسانیت ؐ

اور اُجالا پھیلتا ہی چلا گیا

از جناب نعیم صدیقی صاحب

جہاد کا اثر رائے عام پر | جیسا کہ ہم پہلے پورے زور سے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ تحریکِ اسلامی اور جاہلیت کے درمیان اصل معرکہ رائے عام کے وسیع میدان میں ہوا مسلسل اٹھارہ بیس برس جاری رہا اور اسی وسیع میدان میں آخری فیصلہ بھی ہوا لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مسلم جماعت کے معرکہ ہائے جہاد کا سرے سے اس فیصلے کے ہونے میں کوئی دخل ہی نہ تھا۔

اصلاح و تعمیر کے کام میں قوت بجائے خود ایک اہم ضرورت ہے لیکن اجتماعی دائرے میں کوئی انقلاب آج تک بجز اس صورت کے نہیں آیا کہ اس کے علمبردار اپنے آپ کو مضبوط اور غالب و برتر ثابت کر دیں اور راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانے اور شر پسندانہ مزاحمتوں کو ختم کرنے کے لیے بوقتِ ضرورت قوت کا استعمال کامیابی سے کر دکھائیں۔ مجرد مذہب جسے انسانی زندگی کے صرف ایک چھوٹے سے خانے سے واسطہ ہوتا ہے اسے لے کے چلیے تو وعظ اور فیضانِ نظر سے بڑھ کر کسی سرگرمی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اوپر کوئی سا نظام اپنا سایہ پھیلائے ہوئے ہو اور معیشت و معاشرت کے معاملات کسی بھی نہج پر چل رہے ہوں، لوگوں کے ذہنوں میں کچھ بھلے عقائد کی جگہ بھی نکالی جا سکتی ہے، ان کو کچھ جاپ اور منتر اور وظیفے سکھائے جا سکتے ہیں، اور ان کو مسکینی و تواضع اور رحم دلی و ہمدردی جیسی خوبیوں سے بھی کسی نہ کسی حد تک آراستہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک فاسد اور ظالمانہ نظام میں اپنی خدمات کھپاتے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے نہایت ہی انسانیت کش راستوں سے رزق اور مفادات حاصل کرتے ہوئے ضمیر میں جو گداز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑتے رہتے ہیں، صوفیانہ طرز کے انفرادی مذہب اور ان کے بنائے ہوئے پیری مریدی کے ادارے ان کو ساتھ کے ساتھ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیتے رہتے ہیں اور ان پر مرہم لگے پھاہے رکھتے ہیں۔ بدترین تمدن کے اندر چھوٹا سا گوشۂ عافیت نکال لینے والے مذاہب بھی درحقیقت انسان کے ذوقِ فراریت کی تخلیق ہیں۔ وہ اجتماعیت کے دائرے میں بڑے بڑے جرائم کرنے اور خوفناک مظالم میں حصہ لینے کے بعد انفرادیت کی کٹیا میں بیٹھ کر اپنے خدا کو راضی کرتا اور اپنے روٹھے ہوئے ضمیر کو مناتا ہے۔ لیکن جو دین غیر الٰہی نظامِ زندگی کے گاڑھے میں یادِ خدا کے مخمل کا ندی سا پیوند لگا کر مطمئن نہ ہوتا ہو بلکہ جسے پوری زندگی کو اپنے ہی رنگ میں رنگنا ہو اس کا کام نرے لجاجت آمیز وعظوں، خلوت پسندانہ ریاضتوں اور خدمتِ خلق کے محدود جذبوں سے نہیں چل سکتا۔ اسے باطل کے قفس کو توڑنے، ظلم کے دست و پا کو باندھ دینے اور امن و انصاف کے دورِ تمدن کی طرح ڈالنے کے لیے قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اجتماعی تبدیلیاں بغیر مزاحمتوں کے نہیں واقع ہو جاتیں اور مزاحمتیں توڑنے کے لیے نرے وعظ کافی نہیں ہوتے۔ جن کے بجھے جمائے سلسلہ ہائے مفادات کو اکھیڑا جاتا ہے اور جن کے حق میں کام کرنے والی ترتیبِ معاشرہ کو بدلا جاتا ہے وہ اپنا سارا زور تخریبی اقدامات میں کھپا دیتے ہیں۔ کوئی تحریک ان کو جب تک زورِ بازو سے کام لے کر راستہ سے نہ ہٹائے، اجتماعی اصلاح کے خوش آئند خوابوں کی تعبیر کبھی برآمد نہیں ہو سکتی۔

اسلام جب اٹھا اور اس نے عین اس اساسی تصورِ حیات پر ضرب لگائی جس پر عرب کا جاہلی معاشرہ چل رہا تھا اور نیم مشرکانہ، نیم مادہ پرستانہ ذہنیت کو لا الٰہ الا اللہ کی زد پر لیا تو بالکل ابتدا ہی میں جاہلی نظام کے علمبردار سمجھ گئے کہ یہ تو ایک شاہ ضرب ہے جو پوری عمارت کو توڑ کر نئی تعمیر کے لیے لگائی گئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی بھرپور مخالفت و مزاحمت کی گئی۔ اساسی انقلاب اور ہمہ گیر تبدیلی کی ایسی دعوت جب بھی کبھی رونما ہوتی ہے تو معاشرہ بالعموم تین بڑے بڑے عناصر میں منقسم ہو جاتا ہے۔ وقت سے آگے ہو کر چلنے والے اور دُور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک کے مستقبل کو دیکھنے والے ذہین ترین اور فعال ترین لوگ جن کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی ہے انقلابی دعوت پر آہستہ آہستہ لبیک کہتے ہیں۔ ان کے بالمقابل پرانے نظام میں رہنمائی کرنے والے اور بڑے بڑے مفاد رکھنے والے عناصر متحرک ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے زیرِ اثر طبقوں میں سے بہت بڑی تعداد اپنے حامیوں کی نکال لیتے ہیں۔ ان دونوں قوتوں کے درمیان جن میں سے اول الذکر نشو و نما پاتی ہوئی اقلیت ہوتی ہے اور موخر الذکر سکڑتی اور پارہ پارہ ہوتی ہوئی اکثریت ہوتی ہے لمبی کشمکش ہوتی ہے۔ یہ دونوں فعال قوتیں تو فکری اور سیاسی اکھاڑے میں آجاتی ہیں اور عوام کا انبوہِ کثیر باہر تماشائی بن کر یہ دیکھتا رہتا ہے کہ کب پلڑا ادھر جھکتا ہے اور اس کھیل کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس تیسرے عنصر میں جتنے بھی ذہین اور متحرک کردار موجود ہیں وہ بھی آہستہ آہستہ میدانِ کارزار میں اترتے جاتے ہیں۔ لیکن بہت بھاری اکثریت آخری نتیجہ کا انتظار کرتی ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پرانے نظام کے اندھے پرستار ہوتے ہیں اور یہ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ وہ کبھی ٹوٹ سکتا ہے اور جب تک وہ انہیں ٹوٹتا دکھائی نہ دے ان کے اندر ذہنی تبدیلی آہی نہیں سکتی۔ ان میں سے بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو آہستہ آہستہ نئی قوت کے دلائل سے بھی اور اس کے اخلاقی اوصاف سے بھی متاثر ہوتے جاتے ہیں اور بعض تمنا کرنے لگتے ہیں کہ کاشکہ یہ قوت غالب ہو جائے، مگر وہ پرانی طاقت سے اتنے مرعوب ہوتے ہیں کہ ان کو یقین نہیں آتا کہ کبھی اس سے نجات بھی ہو سکتی ہے۔ بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو دعوتِ انقلاب سے متاثر ہو کر قدم آگے بڑھانا بھی چاہتے ہیں لیکن سابق قیادت نے ان کو اس بری طرح اپنے پنجے میں جکڑ رکھا ہوتا ہے کہ وہ ہلنے جلنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو کسی نہ کسی حد تک حق و باطل کا معیار ہی اس چیز کو بنا لیتے ہیں کہ دو نظریوں میں غالب و برتر کون سا رہتا ہے۔ خصوصیت سے جب دعوتِ اسلامی ہو تو یہ طرزِ فکر عوام میں زیادہ بڑے پیمانے پر پھیلتا ہے۔ عوام کی یہ وہ ذہنی و نفسیاتی کیفیات ہوتی ہیں جو کسی تعمیری و اصلاحی پیغام کی قبولیت میں رکاوٹ بنتی ہیں اور کشمکش کے مدوجزر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کیفیات میں جیسی جیسی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں، دعوت کو انہی کے مطابق اپنے فروغ میں سہولت یا دقت پیش آتی ہے پس کسی بھی نئی دعوت کے علمبرداروں کے لیے راستہ جبھی کھل سکتا ہے جب کہ وہ کشمکش میں اتنی ثابت قدمی دکھائیں اور مزاحم قوت پر اتنے کاری وار کریں کہ عوام ایک طرف یہ محسوس کرنے لگیں کہ پرانی قیادت کو بدلنا اور پرانے نظام کو توڑنا کوئی ناممکن عمل نہیں ہے اور دوسری طرف وہ نئی قوت سے امیدیں وابستہ کریں کہ اس کے بازوؤں میں اتنا بل بوتا ہے کہ یہ ظلم اور جاہلیت کے علمبرداروں کو اچھی طرح جھنجھوڑ سکے۔ بس جب بھی رائے عام کی فضا میں ایسا تاثر چھا جاتا ہے ایک اصلاحی و تعمیری دعوت کے لیے دلوں کے دروازے پوری طرح کھل جاتے ہیں۔

مدینہ کی اسلامی حکومت نے قریش اور یہود کے جنگی چیلنج کا جواب جس جرأت اور شجاعت سے دیا اور بھرپور طریق سے دیا اس کا مقصود یہ نہیں تھا کہ تلوار کے زور سے کچھ لوگوں کو میدانِ جنگ میں اسلام کا قائل کر لیا جائے، بلکہ جنگ جُو یانہ مزاحمتوں سے اپنا بچاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ ضرور تھا کہ عامۃ الناس کے حوصلے بڑھیں، ان کی امیدیں مدینہ کی انقلابی قوت سے وابستہ ہوں، وہ نظریۂ اسلامی سے ایک روشن مستقبل کے ظہور کی توقع کریں اور جاہلی نظام کے ٹوٹ جانے کا امکان کم سے کم ان پر واضح ہو جائے۔

چنانچہ بدر کا اولیں معرکہ ہوا تو ہر چہار جانب سے نگاہیں زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر لگی تھیں کہ دیکھیں پہلے تصادم میں کون کس کو پچھاڑتا ہے۔ اب جب یہ منظر عوام کے سامنے آیا ہو گا کہ مٹھی بھر مسلم سپاہی جن کے پاس ضرورت کا سامان کم سے کم حد تک بھی مکمل نہ تھا انہوں نے اپنے سے تین گنا تعداد کے لشکرِ جرار کو بُری طرح زک دے دی ہے اور مکہ کے نامی گرامی سرداروں کا بہ مع ابوجہل کے صفایا کر دیا ہے تو کیا سارے عرب میں اس محیر العقول واقعہ کی دھوم نہ مچ گئی ہو گی، اس کے چرچے اونٹ کرے گھر گھر نہ ہوتے ہونگے اور اس نے رائے عام پر گہرا اثر نہ ڈالا ہو گا۔ اس واقعہ سے پہلی بار عرب میں یہ امید پیدا ہوئی ہو گی کہ مدینہ کی اسلامی طاقت محض کچھ ایسے اللہ والوں پر مشتمل نہیں ہے جو ساری عمر یار کھا کر خدا کی رضا اور روح کی شانتی

© rasailojaraid.com

rasailojaraid.com

حاصل کرنے کے لیے [illegible] ایک دن کایا پلٹ جانے والی ہے۔

پھر اُحد میں معاملہ برابر سرابر کا رہا تو اثرات بھی بین بین قسم کے رہے ہوں گے۔ اس کے بعد خندق کا معرکہ پیش آیا تو عرب نے دیکھا کہ چاروں طرف سے لشکر کے لشکر ایک تباہ کن طوفان کی مانند امڈ کر آئے اور مہینہ بھر مدینہ کا محاصرہ کرنے کے بعد جھٹ چھٹ گئے، جیسے مٹھی بھر بھوسے کو کوئی پھونک مار کر اڑا دے۔ اس واقعہ سے یہ اثر بہرحال پھیلا ہوگا کہ مسلم طاقت کی جڑیں اب اتنی مضبوط ہیں کہ مخالفین کی متحدہ قوت بھی ان کو ہلا نہیں سکی۔

ان بڑے معرکوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی قبائلی قیادتوں کی طرف بھی مدینہ نے پوری توجہ رکھی۔ یہ مقامی قیادتیں چونکہ ملک گیر جاہلی نظام قیادت کی لمبی زنجیر ہی کی کڑیاں تھیں اور ایک ایک کر کے ان کو توڑے بغیر اس لمبی زنجیر سے عوام کو رہائی دلانا ممکن نہ تھا اس لیے اس کی کچھ کڑیاں تو دعوت کے اثر سے از خود ٹوٹ گئیں، کچھ کو معاہدانہ اور حلیفانہ روابط کے ذریعے زنجیر جاہلیت سے کاٹ لیا گیا اور بقیہ نے جدھر سے بھی مزاحمت کے لیے سر اٹھایا، اسلامی حکومت نے فوراً اُدھر توجہ کی اور وقت کے وقت سرکوبی کر دی۔ باغیوں، چوروں، ڈاکوؤں، جنگ جوؤں، شورش پسندوں کی ایسی متواتر اور بروقت خبر لی گئی جیسی کہ ملاءِ اعلیٰ کی طرف شیاطین کے رُخ کرنے پر شہابوں سے ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ مدینہ کے آس پاس لا اینڈ آرڈر پوری طرح جما دیا گیا اور پُرامن ماحول پیدا کر دیا گیا۔ ورنہ اگر چو طرفہ بکھرے ہوئے اعرابی قبائل کو ذرا بھی "ڈھیل" ملتی تو مدینہ کی پہلی منظم حکومت کا تجربہ ابتدا ہی میں ناکام ہو گیا ہوتا۔ تاریخی ریکارڈ دیکھیے تو ہجرت کے پہلے سال سے لے کر فتح مکہ تک کا دور شتنی بغاوتوں، شورشوں اور اجتماعی تصادمات سے بھرا پڑا ہے۔ کل اِدھر جنگی اجتماعات ہو رہا تھا، آج وہاں ڈاکوؤں کی ٹولیاں اٹھ کھڑی ہوئیں، ایک دن اُس جانب [illegible] شہریوں کو گھائل کر دیا۔ کوئی جنگی سازش اُدھر ہو رہی ہے کوئی باغیانہ منصوبہ اِدھر بن رہا ہے۔

rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر مدینہ خوب چوکس تھا۔ کہیں طلایہ گردی کی ٹولیاں نکل رہی ہیں، کہیں فوجی مہم کی ترسیل کی جا رہی ہے اور کہیں پولیس کارروائی کے لیے کوئی ٹیم روانہ ہو رہی ہے۔

ان سارے حالات نے عرب پر بہر حال یہ اثر ڈالا ہو گا کہ مسلم طاقت "لب بہ بندو چشم بند و گوش بند" قسم کی طاقت نہیں ہے، وہ ایک زندہ، بیدار اور فعال حکومت ہے جو چو طرفہ لڑکر مخالف قبائل کے بے شمار محاذوں سے نمٹ رہی ہے۔ ایک نہ ایک دن یہ بازی لے جائیگی

پھر جب مدینہ میں یہودی اثر کا خاتمہ کر دیا گیا ہو گا اور اس کے بعد موزوں وقت آتے ہی خیبر کا مخالف محاذ توڑ دیا گیا ہو گا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رائے عام کی فضا قبولِ دعوت کے لیے ان واقعات سے کس طرح سازگار ہوتی گئی ہو گی۔

اور فتح مکہ کے زلزلہ انگن واقعے نے عرب کو اس سرے سے اُس سرے تک جھنجوڑ کر جاہلیت کی نیند سے جگا دیا ہو گا اور تحریک اسلامی نے نئے دور کی اذان پکار کر پیغام دیا ہو گا کہ اٹھو اجالا ہو گیا؟! اب ہر اندھے نے بھی دیکھ لیا ہو گا کہ جاہلیت مٹنے والی تھی اور مٹ گئی۔ اب انتہائی قدامت پسند اور مقلد اور مرعوب ذہن کے نچلے طبقوں کو بھی یقین آ گیا ہو گا کہ قریش کی فرسودہ قیادت کا دور ختم ہو گیا۔ اب ہر بلید ترین بدو نے بھی سمجھ لیا ہو گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام علم، کردار، زندگی، حرکت، ترقی، تعمیر، نظم، امن، انصاف اور اخوت سے آراستہ کرنے والا پیغام ہے۔ اور عوامی ذہن نے اپنے کواڑوں کی کنڈیاں کھول دی ہونگی اور اپنے روزنوں سے پردے اٹھا دیئے ہونگے تاکہ اسلامی تحریک کی شعاعیں اندر آسکیں۔

پھر ان جنگی کارروائیوں کے اندر خود اسلام کی دعوت کام کر رہی ہوتی تھی۔ یہ لڑائیاں محض تلواروں اور تیروں کی لڑائیاں نہ تھیں، یہ عقیدوں اور نظریوں اور کرداروں کی لڑائیاں بھی تھیں۔ ان لڑائیوں میں مسلم طاقت تکبیر کا نیا نعرہ لے کے آئی تھی۔ وہ میدانِ جنگ میں بھی ذوقِ رکوع وسجود اپنے ساتھ لائی تھی، وہ دشمن کے خلاف اگر پورے جوشِ قوت سے حملہ آور ہوتی تھی تو دوسری طرف دشمن کے سامنے وہ اپنے خدا کے حضور عاجزی سے سر جھکے رکھتی تھی۔ پھر اس کا نئی طرز کا ڈسپلن تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کے قواعد تھے اور اس کے مخصوص اطوار تھے، پھر وہ شہادت اور جنت اور رضائے الٰہی اور حیاتِ ابدی کے تصورات لے کے آئی تھی جن کی مستی میں اس کے سپاہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھتے تھے اور ہنستے مسکراتے اپنی متاعِ حیات اپنے نصب العین کے قدموں میں نچھاور کر دیتے تھے۔ پھر ان کا ایک درخشاں جنگی اخلاق تھا۔ دوسرے لوگ موسیقی کی تانوں پر حرکت کرتے تھے اور اسلامی تحریک کے جانباز فقط نغمۂ توحید کی تانوں سے تحریک لیتے تھے۔ دوسرے لوگ شرابیں پی پی کر شجاعت کا مظاہرہ کرتے اور اسلام کے سپاہی فقط احساسِ فرض کی مقدس صہبا سے سرشار ہوتے تھے۔ دوسرے لوگ مالِ غنیمت کی ہوس لے کر جوہر دکھلاتے تھے اور محسنِ انسانیتؐ کے پیرو صرف رضائے الٰہی کی طلب میں خاک و خون میں لوٹ جاتے تھے۔ دوسرے لوگ قوم قبیلے اور نسل کی عصبیت میں بہک کر حملہ آور ہوتے تھے، مگر اللہ کے مجاہد صرف دین اور حق اور سچائی کی حمایت میں معرکہ آرا ہوتے تھے۔ دوسرے لوگ قتال کے دوران میں نہایت درجہ کی وحشیانہ کارروائیاں کرتے تھے، مثلاً مخالفین کو آگ میں جلانا یا باندھ کر مارنا، ان کے مقتولوں کی لاشوں کی بے حرمتی کرنا، ان کی کھوپڑیوں میں شرابیں پینا، کلیجہ چبا جانا، عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنا، حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ دینا، لیکن مسلم طاقت ایسی انوکھی فوج تیار کر کے میدان میں لائی جو قتال میں بھی انسانیت کی اخلاقی حدوں کا احترام کرنے والی تھی، جس نے نہ کبھی کسی کو وحشیانہ طریق سے قتل کیا، نہ لاشوں کی بے حرمتی کی، نہ عورتوں اور بچوں پر اپنی تیغِ شجاعت کو آزمایا، بلکہ اس پہلو سے اخلاق باختہ مخالفین کی چیرہ دستیوں پر صبر کر کے اپنی طرف سے بہترین نمونہ پیش کیا۔ دوسرے لوگ قیدیوں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے تھے، مگر مسلم طاقت نے ان کو اپنے شہریوں کے ساتھ بھائی بھائی بنا کے رکھا۔ دوسرے قول و قرار کر کے پھر جاتے تھے مگر مسلم طاقت نے نازک ترین مواقع پر نقصان اٹھا کر بھی اپنے ہر عہد کو نبھایا اور اگر ذمہ اٹھایا تو اس کا حق ادا کیا۔ دوسرے مفتوح شہروں میں گھس کر سول آبادی کو ظلم کا نشانہ بناتے تھے مگر مسلم طاقت نے اپنی سپاہ کو ہمیشہ کے لیے اس بات سے روک دیا کہ گھروں میں گھس کر کسی شہری کو نہ مارا جائے اور نہ کسی کے ذاتی سامان کو قبضہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں لیا جائے۔ بلکہ دشمن کی سول آبادی سے جبراً رسد تک حاصل کرنا حرام کر دیا گیا۔ دوسروں کے لیے لڑائی ایک دنیوی کارروائی تھی، لیکن مسلم جماعت نے اسے انتہائی بلند عبادت قرار دیا۔

پھر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عین میدانِ جنگ میں بھی دشمن کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی جاتی تھی تین راستے مخالف کے لیے کھلے ہوتے: اولاً اسلام میں آؤ اور بھائی بھائی بن جاؤ، ثانیاً سیاسی اطاعت قبول کر لو، ثالثاً میدانِ جنگ میں مقابلہ کر لو۔ حالانکہ دوسروں کے ہاں ایسی کوئی اصولی دعوت نہ ہوتی، ان کی طرف سے دو ہی راستے کھلے ہوتے کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو یا میدانِ جنگ میں آؤ۔

دو قوتوں کا یہ عظیم الشان فرق میدانِ جنگ کے اسکرین پر کتنا نمایاں ہو جاتا ہوگا اور اس فرق سے آگاہ ہو کر سارا عالمِ عرب متاثر ہوتا ہوگا۔ یعنی مدینہ کی اسلامی قوت کا ایک طرف تیزی سے نشوونما پانا اور دوسری طرف اپنے کردار سے اپنے نظریہ کی صداقت اور بالاتری کو ثابت کرنا یہ دوگونہ اثرات تھے جو جنگی کارروائیوں کے ذریعے عرب کی رائے عام پر برابر پڑتے رہے۔ ان اثرات نے جوں جوں دعوتِ حق کے لیے راستہ صاف کیا، لوگ اسلام سے وابستہ ہوتے گئے۔ یہ اثرات صلح حدیبیہ کے بعد خاصے نمایاں ہو گئے تھے۔ اس لیے اس دور میں عوام تیزی سے اسلام کی طرف بڑھے۔ پھر فتح مکہ کے بعد یہ اثرات پوری طرح غالب ہو گئے۔ اس لیے پورے کا پورا عرب بیک دم اسلامی تحریک کے سایۂ رحمت میں آ گیا۔ ان دونوں ادوار میں عوام نے جس تیزی سے اپنے آپ کو اسلام کے حوالے کیا ہے اسے دیکھ کر یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ قریش کی قیادت عوام کے راستے میں کتنی بڑی رکاوٹ تھی اور اس رکاوٹ کے ہٹتے ہی ذہنی انقلاب رونما ہو گیا۔ جہاں کہیں بھی کوئی غالب طبقہ اس طرح سے رکاوٹ بنا موجود رہتا ہے وہاں عوام میں وعظ و نصیحت کا اثر کسی بڑے پیمانے پر کبھی رونما نہیں ہو سکتا۔ اجتماعی فضا کو بدلنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ایسی رکاوٹ کو ہٹایا جائے اور اس کے لیے پوری پوری سیاسی جدوجہد کی جائے۔ اسلامی دعوت کی تکمیل سیاسی جدوجہد کی تکمیل ہی پر منحصر ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت خود معلمِ انقلاب تھی | پھر جو علاقے متعلقہ قبائل کے اسلام لائے، معاہدانہ تعلقات قائم کرنے یا سیاسی اطاعت قبول کرنے سے مدینہ کی اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں آتے تھے ان کو یونہی چھوڑ نہیں دیا جاتا تھا کہ وہ جس حال میں پڑے ہوں پڑے رہیں اور جو بھی خیالات و کردار ان میں رائج ہوں، ہوتے رہیں۔ بلکہ ان تک دعوت پہنچانے اور ان کی تعلیم و تربیت کرنے کے لیے مؤثر انتظامات کیے جاتے۔ معاملہ صرف اتنا نہ تھا کہ بس قوت کی لاٹھی گھما کر کسی علاقے کو زیرِ نگیں کیا اور پھر انسانوں کو اندر سے تبدیل کیے بغیر بکریوں کے ریوڑ کی طرف ہانکتے پھرے۔ ہر چیز تلوار کی نوک سے منوائی جاتی اور ہر تبدیلی ڈنڈے کے زور سے شروع کی جاتی۔ یہ جتیاری چار دن چل سکتی تھی لیکن دل بغاوت پر آمادہ ہو جاتے اور پھر عوام کی بیزاری کا لاوہ پھٹتا تو سارا کیا کرایا ہوا ہو جاتا۔ قوت کے استعمال کا جزء تحریکِ اسلامی کے کام میں دوسرے ہر نظام کے مقابلے میں انتہائی قلیل تھا اور دعوت اور تعلیم و تربیت کا عنصر بہت ہی غالب تھا۔

اصولی نظریوں پر قائم ہونے والی حکومتیں اپنے اندر تبلیغی روح رکھتی ہیں اور ان کی ساری سرگرمیوں میں مقدم ترین مقصود یہ ہوتا ہے کہ عوام کے دل اس اصول اور اعتقاد کو سمجھیں اور اخلاص سے قبول کریں جس پر نظامِ حیات کی اساس قائم ہے۔ ان کے تمام کے تمام محکموں کو اپنے مخصوص کاموں کے ساتھ ساتھ اس مرکزی غرض کو بھی انجام دینا ہوتا ہے۔ ایسی حکومتیں ہر اس مفید ترین چیز کو مسترد کر دیں گی جو ان کے اساسی نظریہ کو نقصان پہنچائے اور ہر اس نقصان دہ صورت کو بھی اختیار کر لیں گی جو لوگوں کے ذہنوں میں بنیادی اصول کو راسخ کرے۔ ان کے سامنے تمام مصلحتوں میں سے اہم ترین مصلحت یہی ہوتی ہے کہ شہری نئے نظام کی روح کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں اور ہم آہنگ رہیں اور اس کے دستِ بازو بن کر اپنے اندرونی جذبے سے کرنے کے کام کریں اور مٹانے کی چیزوں کو مٹائیں۔

چنانچہ مدینہ کی اسلامی حکومت نے ایک طرف تو یہ اہتمام کیا کہ سخت ترین جنگی حالات میں بھی ملحقہ علاقوں میں دعوتی اور تبلیغی وفود روانہ کیے۔ کم از کم چار مواقع ایسے ہیں کہ جن میں مدینہ سے جانے والے داعیانِ حق کو شر پسند عناصر نے شہید کر دیا۔ دعوت کی راہ میں انتہائی مظلومی سے شہید ہونے والوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق کے جملہ مسلم شہداء سے زیادہ تھی۔ بہر حال انتہائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نازک اور مشکل حالات میں بھی اس بنیادی فریضہ سے غفلت نہیں برتی گئی بلکہ قربانیاں دے دے کر اسے جاری رکھا گیا۔ پھر بعض اصحاب کو مدینہ میں کچھ تربیت دے کر انہی کے قبائل میں داعی کے طور پر مامور کر دیا گیا۔ ایسے چند نام ہمارے سامنے ہیں :- (۱) طفیل بن عمر دوسی (قبیلۂ دوس)، ۲- عروہ بن مسعود (ثقیف)، ۳- عامر بن شہر (ہمدان)، ۴- ضمام بن ثعلبہ (بنو سعد) ۵- منقذ بن حیان (بحرین)، ۶- ثمامہ بن اثال (نجد)۔ علاوہ ازیں بعض قبائل یا افراد کی طرف خصوصی اصحابِ دعوت کو مامور کر کے روانہ کیا گیا جیسے حضرت علی کو ہمدان، جذیمہ اور مذحج کی طرف، مغیرہ بن شعبہ کو نجران کی طرف، وبر بن یحنس کو ابنائے فارس (فارس کے رؤسا جو یمن میں مقیم ہو گئے) کی طرف، خالد بن ولید کو علاقۂ مکہ کی طرف، عمرو بن عاص کو عمان کی طرف اور مہاجر بن ابی امیہ کو حارث بن کلال شہزادۂ یمن کی طرف روانہ کیا گیا۔

لیکن اس سے بہت بڑے پیمانے پر اسلامی حکومت نے اپنے سول حکام سے اسلام کی اشاعت اور تحریکِ اسلامی کے فروغ کی خدمت لی۔ اسلامی حکومت کے افسر کچھ نوکری پیشہ لوگ نہ تھے اور نہ وہ روٹی کمانے کے خیال سے بھرتی ہوتے تھے۔ وہاں تو مقصود صرف کلمۃ اللہ کو سربلند کرنا اور انسانوں کو بھلائی کے راستے پر ڈالنا تھا۔ یہ کام تنخواہ کے پجاریوں کے کرنے ہی کا نہ تھا۔ یہ تو صرف اس نورانی انقلاب کے بے لوث خادموں ہی کی دلچسپی کی چیز ہو سکتی تھی اور انہی کے ہاتھوں یہ ہو بھی سکتا تھا۔ وہ لوگ نہ خود کسی عہدے کا لالچ رکھتے تھے اور نہ گریڈوں اور ترقیوں کے چکر میں پڑتے تھے۔ ان کو تو عہدے خود پکارتے تھے اور فرائض خود چن چن کر بلاتے تھے اور گزر بسر کے معاوضے پر ان سے انتہائی اونچی خدمات لی جاتی تھیں۔ یہاں ایک ہی مثال کافی ہو گی کہ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو ایک درہم یومیہ تنخواہ مقرر کی۔ اس گورنر نے تقریر میں خود کہا کہ "خدا اس شخص کو بھوکا رکھے جو ایک درہم روزانہ پا کر بھی بھوکا رہا" (ابن ہشام)۔ یہ لوگ اپنے عقیدے اور اپنے محبوب نظام کے داعی پہلے تھے اور کچھ اور اس کے بعد تھے۔ پس مدینہ کی حکومت جن لوگوں کو بھی کسی جگہ گورنر، جج، تحصیلدار اور مال افسر مقرر کرتی تھی، وہ اپنے حدود عمل میں توحید کے داعی، اسلام کے معلّم اور اخلاقِ عامّہ کے معمار بھی ہوتے تھے۔ ان حضرات کو جب ان کے فرائض سے آگاہ کیا جاتا تھا تو اسی وقت حضورؐ اس اساسی غرض پر بھی ان کو متوجہ فرما دیتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً حضرت معاذ بن جبل کو جُند یمن میں مالی، انتظامی اور عدالتی فرائض سونپ کر افسر مقرر کیا تو ان کو یہ تلقین بھی فرمائی کہ "لوگوں کو قرآن کی تعلیم دو اور انہیں اسلام کے احکام سکھاؤ"۔ پھر انہیں اہلِ کتاب مخاطبین کو ملحوظ رکھ کر تفصیل سے دعوت کا اسلوب سمجھایا کہ پہلے انہیں توحید کی دعوت دینا، اسے مانیں تو پھر نماز کے لیے کہنا اور اس کے بعد زکوٰۃ کے لیے۔ یہی افسر اکثر و بیشتر اپنے ہیڈ کوارٹر میں امامِ صلوٰۃ بھی ہوتے تھے۔ البتہ بڑی آبادیوں میں جہاں تقسیم فرائض ناگزیر ہوتی وہاں انتظامی افسروں کے ساتھ مستقل ائمہ صلوٰۃ کا تقرر بھی کیا جاتا۔ جیسے کہ عتاب بن اسید مکہ میں، عثمان بن ابی العاص طائف میں اور ابو زید انصاری عمان میں مامور ہوئے۔ سول افسروں کی تعداد چونکہ خاصی زیادہ ہے اس لیے ہم یہاں فہرست نہیں دے رہے لیکن اس تعداد کو دیکھا جائے اور اس کے علاقہ ہائے تقرر کو دیکھا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اسلامی حکومت کی سول سروس نے اسلام کی روشنی کو پھیلانے میں کتنا بڑا کام کیا ہو گا۔ پھر یہ داعیانِ حق اپنی افسری میں اس عام تصور سے بالکل مختلف تھے جو اس وقت پھیلا ہوا ہو گا۔ نہ وہ خدا سے بے خوفی، نہ وہ ٹھاٹھ باٹھ، نہ وہ جور و تعدی، نہ وہ عوام سے دُور دُور رہنا، نہ لوگوں کی ضروریات و حاجات سے غفلت، نہ ہٹو بچو کی صدائیں، نہ دربانوں اور چاؤشوں کا ہنگامہ، نہ محلات و قصور، نہ سلب و نہب، نہ رشوت ستانی، نہ خوشامدیوں کے حلقے، نہ اندھی داد و دہش، نہ شرابوں کے دور، نہ موسیقی کے زیر و بم، نہ رقاصاؤں کے ہجوم ــــــ یہ سول افسر بالکل نئی قسم کے افسر تھے۔ یہ حاکم نئے انداز کے حاکم تھے۔ لوگوں کے لیے ان کی حکومت کا تجربہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ کم تنخواہیں لینے والے، سادہ گذر بسر کرنے والے، دیانت داری سے فرائض ادا کرنے والے، رعایا سے رحم و شفقت رکھنے والے، بے لاگ انصاف پر چلنے والے اور پھر اپنے خدا کے سچے پرستار ــــ یہ نیا حاکمانہ کردار دلوں کو مسحور کر کے قریب لاتا ہو گا۔ اور پھر جب یہ لوگ سچائی کا پیغام دیتے ہوں گے تو وہ سیدھا سینوں میں جا گزیں ہو جاتا ہو گا۔ چنانچہ یہ امرِ واقعہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو علاقہ زبید و عدن کا حاکم مقرر کیا گیا تو ان کی دعوت سے وہاں کے سارے لوگ بہت جلد مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح جریر بن عبد اللہ بجلی کو یمن کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے حمیریوں (ذوالکلاع حمیری) پر افسر مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے اتنا اثر ڈالا کہ وہ لوگ

© rasailojaraid.com